

چھنگلی کی تلاش

محبوب الہی مخمور

MEHBOOB ELAHI MAKHMOOR

صبح پانچ بجے ہم نے ورزش کی خاطر گھر سے جیسے ہی قدم
باہر نکالا۔ سامنے ہی اپنے دوست حامد کو پایا۔ ہم حیران کھڑے
تھے کہ حامد اتنے سویرے سویرے کہاں جا رہا ہے؟۔
”کہاں جا رہے ہو حامد؟“ ہم نے وہیں سے ہانک لگائی۔
”میر کرانے جا رہا ہوں“ اس نے بدستور چلتے ہوئے کہا۔

”میر کرنے یا کرانے میں سمجھا نہیں“ ہم نے فور سے حامد کے

ساتھ حرکت کرتی شے دیکھی جو بغیر چشمے کے صاف نظر نہیں

آ رہی تھی۔ ہم نے پھر اسی انداز سے کہا۔ ”تم نے مریل گدھے کی
ری کیوں پکڑ رکھی ہے؟“

اس پر حامد نے غصے سے کہا۔ ”یہ گدھا نہیں بکرا ہے اور اسی

کو ہم میر کرانے کے لیے لے جا رہے ہیں صرف دس دن بعد بقرعید
ہے قربانی کرنا ہے۔“

ہم نے فوراً ان سے معذرت کی مگر پھر طنز یہ لہجے میں کہا ”یہ

تم کو کس شیم تحسیم نے مشورہ دیا ہے کہ صبح ہی صبح بکرے
کو میر کراؤ۔“

”یہ نیم حکیم تمہارے چچا جان اور میرے ابا جان ہوتے ہیں“ حامد

کاتر کی بڑکی جواب سن کر ہم نے کھسک لینا ہی بہتر سمجھا۔

ورزش کے دوران ہم نے سوچا کیوں نہ ابا جان سے کہا جائے کہ

قربانی کے لیے اس عید پر بکرالے آئیں۔ حامد کی طرح ہم بھی بکرے
کو میر کرانیں گے اور محلے والوں پر رعب لگ ڈالیں گے۔

بکرا خریدنے کی ہماری خواہش شدید ہوتی گئی۔ ابا جان کے

حضور عرضی بھیجی کہ اس عید پر بکرے کی قربانی ضرور کریں مگر

وہ راضی نہیں ہوئے کیوں کہ ان کی جیب جازت نہیں دیتی تھی۔

ہماری ضد جب حد سے بڑھی تو آخر انہوں نے ہتھیار ڈال دیے اور

ہمیں ایک ہزار روپے دیتے ہوئے کہا ”میاں صاحبزادے تم خود ہی

بکرا خرید لاؤ۔ میری جیب میں ان کے علاوہ کچھ نہیں۔“

”تم نے کہا“ ایک ہزار میں آج کل بکرا کہاں ملتا ہے۔“

اس پر ابا جان بولے ”ہلکا ہلکا ہی بکرا خرید لو۔“

”ابا جان! ایک ہزار میں تو صرف بکرے کا ایکسرے ہی آ سکتا

ہے۔“ عارف کی بات پر ابا جان نے غصے سے کہا۔ ”مگر آ سکتا ہے تو

ٹھیک ہے ورنہ پیسے واپس کر دو۔“

ہم نے موقع غنیمت جانا کہ ایک ہزار میں ہی بکرا تلاش کر لیں

ورنہ ابا جان کہنا اپنا ارادہ نہ بدل لیں۔

بقرعید میں ابھی دس دن باقی تھے ہم نے اللہ کا نام لے کر بکرا

منڈی سہراب گوٹھ کا رخ کیا کہ کوئی بکرا خرید لیں مگر بکروں

کی قیمتیں معلوم کر کے ہمارے بوش اڑ گئے کیوں کہ ان کے دام

آسمان سے باتیں کر رہے تھے۔ ہم پہلے دن مایوس ہو کر گھر کے

بدرہ کی طرح لوٹ آئے۔ دوسرے دن ہم ایک بڑے بوش نظم پڑھ کر

حالت جوش میں بکرا منڈی پہنچے۔ ہمارے بہن بھائی ہمیں ہر صبح

ترونا زہ بکرے کی مہم پر جاتے ہوئے دیکھتے اور شام کو منہ لٹکائے

حال سے بے حال بلکہ بدحال خالی ہاتھ آتے دیکھتے رہے۔ ایک ہفتے

میں ہماری حالت غیر ہو گئی۔ ہماری والدہ محترمہ بے حد پریشان

تھیں کہ عید سے قبل ہم اس دار فانی سے کوچ نہ کر جائیں۔ نویں دن

جب ہم گھر سے نکل رہے تھے تو والدہ محترمہ نے کہا ”بیٹا! بکرے

کی فکر چھوڑو، اپنی صحت کا خیال کرو۔“

مگر ہم نے کہا ”ہمیں ہر حالت میں جانا ہے“ اور بے ضد گھر سے

نکل گئے۔

بالآخر بکرا منڈی پہنچتے تو قدرت کو بھی ہماری حالت پر رحم

آگیا۔ ایک صاحب سے مول تول کیا آخری بڑی مشکل سے بات آکر
 ٹھہری ایک ہزار پر ہم نے خوشی خوشی روپے ادا کیے اور بکرے کی

اسی وقت ہماری بہن نے کہا۔

”جاؤ احسان جلدی سے گھاس کا بندوبست کرو بھائی جان کو
 بھوک لگ رہی ہے۔“

ہمیں اس بات پر شدید غصہ آگیا۔ ہم نے اپنی عینک اتار کر اپنی
 بڑی بڑی آنکھوں سے اسے گھورا تو وہ گھبرا کر کھسک گئی۔

بکرے کو گھاس کھلا کر ہم سوچنے لگے کہ بکرے کو محلے

کی سیر تو کرا دیں اس طرح محلے والوں سے بکرے کی جان بچان
 ہو جائے گی اور ہمارے بکرے کا رعب بھی پڑے گا۔ ہم بکرے کی
 ری پکڑ کر گھر سے نکلے۔ محلے میں گھومتے رہے مگر ہمارے
 کسی دوست نے بھی بکرے کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھا۔ ہم

حیران ہوئے کہ کیا ماجرا ہے؟ ہمارے کلاس فیلو قاسم رزاق نے ہماری
 خیریت پوچھی مگر بکرے کے بارے میں پوچھا تک نہیں۔ ہم دل ہی
 دل میں اس کو صلواتیں سناتے رہے کہ آخر یہ شخص بکرے کے بارے
 میں کیوں نہیں پوچھ رہا مگر ہماری مراد بد آئی۔ اس نے پوچھ ہی
 لیا ”کیسے کس چیز کو لیے کھوم رہے ہو؟“

ہم نے کہا ”متم کو نظر نہیں آتا کہ یہ کیا چیز ہے؟ بھائی یہ بکرا
 ہے۔“

”اتنا کمزور بکرا“ اس نے حیرانی سے پوچھا۔

ہم نے جل بھن کر کہا۔ ”کیوں کیا تم نے اس سے کشتی لڑنا ہے اور
 ہاں اپنی آنکھوں کو نمٹ کر اوپر چہرہ لگا کر بکرے کو دیکھنا۔

”یہ کہہ کر ہم بکرے کو لیے تیز گھر کی طرف چل دیے۔ ہمارا

ایک رکشہ والے سے بات کی کہ ”بھائی لیاقت آبا دچلو گئے۔“

اس نے کہا ”بالکل چلوں گا۔ کیا بکرے لے جانا ہے؟“

ہم نے اپنا سرفرا میں ہلایا تو بولا ”75 روپے لگیں گے۔“

ہم نے کہا ”خدا کا خوف کرو 75 روپے میں تو ہم دس دفعہ لالو

کھیت کا پکڑ لگا سکتے ہیں۔“

اس پر رکشہ والے نے کہا ”بے شک درست کہا مگر بغیر بکرے

کے“ ہم بڑبڑاتے ہوئے آگے بڑھے۔ ایک ٹیکسی ڈرائیور سے بات کی

تو اس نے سو روپے بتائے۔

”سو روپے بہت زیادہ ہے“ ہم نے کہا۔

”ایسا کرو کہ بکرے پر سوار ہو کر چلے جاؤ آرام سے بغیر

پیسوں کے پہنچ جاؤ گے“ ٹیکسی ڈرائیور نے ہمیں گھورتے ہوئے

کہا اور ہم غصے کی حالت میں آگے بڑھ گئے۔

ہم کافی دیر ادھر ہی گھومتے رہے۔ آخر بڑی مشکل سے ایک

رکشہ والے کو چالیس روپے میں راضی کیا اور گھر کی طرف چل

دیے۔

ہم نے صحن میں لا کر بکرے کو باندھا اور ابا جان کو خوشخبری

سنائی۔

تھا جس کا انتہا روہٹا بکا ر آگیا

بکرے کو لے کے وہ ہر بازار آگیا

اسی سے پوچھا تو انہوں نے کہا۔ ”آج پانی بند ہے کیوں کہ پانی والوں کو شیخی عید پر محلے والوں عیدی نہیں پہنچائی تھی اس لیے انہوں نے اس عید پر بدلہ لیا ہے۔“

ہم نے فوراً اپنے کپڑے سنبھالے اور اپنی خالہ جان کے گھر اسکوٹر پر روانہ ہوئے کیوں کہ ہمیں صد فیصد یقین تھا کہ وہاں پانی وافر مقدار میں موجود ہوگا کیوں کہ ان کے برابر میں ایک صاحب رہتے تھے جو دارۂ آب رسائی میں بڑے آفیسر ہیں۔ ان کے طفیل ہماری خالہ جان کے گھر بھی پانی آ جاتا ہے۔

خالہ کے گھر سے تیار ہو کر ہم واپس آئے پھر مسجد میں نماز عید ادا کی اور گلے مل کر جلدی جلدی گھر کی جانب چل دیے۔ ہمارے دوست جاوید انجم نے اتنی جلدی جاتے دیکھ کر کہا ”کیا مسجد سے جوتے چوری کر کے بھاگ رہے ہو؟“ اس پر ہم نے ساری صورت حال بتائی اور گھر پہنچ کر سکون کا سانس لیا۔ ساڑھے آٹھ بجے سے قصائی کا انتظار کرتے کرتے گیارہ بج گئے مگر قصائی کا کہیں نام و نشان تک نظر نہیں آیا۔ پریشانی کی حالت میں قصائی کی دکان کی جانب دوڑ لگائی مگر دکان پر تالے کے ہمراہ عید مبارک کا بورڈ آویزاں تھا۔ تحکک ہا کر واپس ہو لیے۔ دوپہر بارہ بجے قصائی کا دیدار نصیب ہوا ہم نے فوراً یہ شعر پڑھا۔

آنا تیرا مبارک قصائی کہلائے والے
آنسو بہا رہے ہیں معصوم بکرے

والے

دوست قاسم رزاق پیچھے آوازیں ہی دیتا رہا مگر ہم آمدنی ہو جان کی طرح چلتے رہے اور گھر پہنچ کر دم لیا۔
بقر عید آنے میں ایک دن باقی تھا۔ ہم نے اسی دن قصائی سے رجوع کیا۔

”ہم پر چھری پھیرنے کے کتنے لوگے؟“
قصائی بولا۔ ”کیا کہا؟“
ہم نے وضاحت کی ”بکرے پر چھری پھیرنے کے کتنے لوگے؟“
اس پر قصائی نے جلدی سے کہا ”نوسو روپے۔“
”ہماری قربانی کے نوسو روپے مانگ رہے ہو“ ہم نے حیرانی سے پوچھا۔

”آپ اگر ایک ہزار روپے بھی اپنی قربانی کے دیں گے تو بھی قربانی نہیں کروں گا“ قصائی نے کہا۔
”کیوں بھی کیا چھری تیز نہیں ہے؟“ ہم نے ہنستے ہوئے کہا۔
”جی نہیں چھری تو تیز ہے مگر آپ کی قربانی جائز نہیں کیوں کہ آپ کا ایک دانت ٹوٹا ہوا ہے۔“ قصائی کی اس بات پر ہم نے جلدی سے اپنا منہ بند کر لیا اور اس سے ڈیڑھ سو روپے میں بات کر کے واپس ہونے لگے تو قصائی نے ہمیں جاتے ہوئے ایک نوٹن دیا جس پر اٹھارہ نمبر درج تھا۔ ہم نے اس کی وضاحت پوچھی تو بولا۔ ”آپ سے پہلے سترہ امیدواروں پر چھری پھیرتی ہے۔“

بقر عید کی صبح ہم جلدی جلدی نہانے کے لیے غسل خانے میں داخل ہوئے مگر یہ کیا وہاں پانی کا نام و نشان تک نہ تھا۔ ہم نے چلو بھری پانی تلاش کیا مگر وہ بھی نہ ملا۔

اب تم بناؤ گئے۔

”کہاں رہ گئے تھے جان براور؟“

”دوسروں کی بھی کھال اتارنا تھی اس لیے دیر ہوگئی“ ہم اس

کے جیلے پر غور کرنے لگے۔ جب تک قصائی نے چھری نکالی اور

ہمارے بکرے پر پھیر کر ہم سے کہا ”بکرے کو ٹھنڈا ہونے دو میں دو

منٹ میں آتا ہوں“ ہم اس کے انتظار میں دو منٹ کے بجائے دو

گھنٹے تک بیٹھے رہے مگر قصائی کا کوئی اتنا پتا معلوم نہ ہو سکا۔

دو بجے قصائی واپس آیا تو ہم اس پر چڑھ دوڑے ”کیا ہوا؟“

رکھا ہے؟“ تم بکرے کو دو منٹ میں ٹھنڈا کرنے کا کہہ کر گئے

تھے اور دو گھنٹے بعد واپس آ رہے ہو؟“

قصائی نے کہا ”کیا صرف آپ کی کھال اتاروں۔ ان لوگوں کا

کیا کروں جن کے بکرے میں سے صبح دس بجے کا نئے تھے۔ آخر ان کی

کھال اتارنا تھی اور بونیاں بھی بنا تھیں“

ہم نے کہا ”بس بس جلدی کرو اس پر قصائی نے جلدی جلدی

بکرے کی انٹی سیڑھی کھال اتاری اور بڑی بڑی بونیاں بنا کر رفو

چکر ہو گیا۔

گھروالوں نے جب گوشت اور ہڈیوں کے بڑے بڑے ٹکڑے

دیکھے تو انہوں نے ہماری کھال اتارنا شروع کر دی۔

”کیا اتنی بڑی بڑی بونیاں مگر چھوٹے کے لیے بنوائی ہیں اور.....

اور یہ موٹی موٹی ہڈیاں لگتا ہے کہ کے ایم سی والوں نے کھدائی

کے بعد یہ پائپ دریا فت کیے ہیں۔ غضب خدا کا تو مورو پے لے گیا

اور بکرا ویسا ہی چھوڑ گیا“

پھر ابا جان نے نیا حکم صادر کیا ”ان کی چھوٹی چھوٹی بونیاں

”کیا..... کیا مطلب ہم اور بونیاں؟“ ہم نے نامگواری کے انداز میں

کہا۔

”ہاں! تم“۔ حکم ہی ایسا تھا کہ چاروٹا چاروٹا پڑا اور جو ہم

ڈھائی بجے بکرا لے کر بیٹھے تو پھر عصر کی اذان ہو گئی۔ اب ہڈیاں

توڑنے کی باری آئی۔ ہم ہڈی کو سامنے رکھتے قصائی کی

کھوپڑی کا تصور کرتے اور پوری قوت سے بغدا اس پر دے مارتے۔

ہڈی دو ٹکڑوں میں بٹ جاتی اور خیالی قصائی ہمارے سامنے ہی

پاش پاش ہو جاتا۔ ایک گھنٹے کی ہڈی تو ڈکار روائی کے بعد ہم

تھک کر بستر پر گر گئے۔ اسی وقت ہمیں اپنی انگلی میں تکلیف کا

احساس ہوا۔ جب ہمیں معلوم ہوا کہ ہم نے بکرے کے گوشت میں

اپنی بوٹیوں کا اضافہ کر دیا تھا۔ ہمارے دائیں ہاتھ کی چھنگلی

غائب تھی۔ شاید چھنگلوں سے نکل گئی تھی یا بغدے کی دھار نے

اس کا سر جدا کر دیا۔

گھروالے گوشت محلے میں بانٹ چکے ہیں۔ گھر میں بھی

کھانا تیار ہے۔ ہماری چھنگلی رکابی میں سے تو براہِ مد نہیں ہوئی۔

ہاں کسی اور چھنگلی کی رکابی سے نکل آئے تو براہِ مہربانی ہمیں

خورد پر پہنچا دے۔ آپ سب تو جانتے ہی ہیں کہ چھنگلی کتنے کام

کی ہوتی ہے.....!!